eMadrasah
Learn Deen with Abedeen Academy
Bridge Course 2020

سُنّت کی حجیت

قرآن و حدیث کی روشنی میں

سپروائزر

مفتی عمر عابدین قاسمی مدنی

تیار کردہ: گروپ-۱

آدم عمار سرفراز | الیاس احمد شکیل | ظفر مسعود | مجید اللہ خان

محمد ایوب منیار | محمود ہاشمی | محمد فضل الباری | شیخ خواجہ نصیر الدین

July – October 2020

eMadrasah
Learn Deen with Abedeen Academy
Bridge Course 2020

سنت کی حجیت
قرآن اور حدیث کی روشنی میں

سپروائزر:

مفتی عمر عابدین قاسمی مدنی

<u>تیار کردہ۔ گروپ ۱</u>

ظفر مسعود (گروپ کوآرڈینیٹر)

آدم عمار سرفراز

الیاس احمد شکیل

مجید اللہ خان

محمد ایوب منیار

محمود ہاشمی

محمد فضل الباری

شیخ خواجہ نصیر الدین

July – October 2020

فہرست مضامین

تشکر 4

مقدمہ 5

حرفِ آغاز : 7

قرآن مجید کی آیتوں سے حجیت رسول : 7

انبیاء کرام کی دعوت : 8

پیغمبری کیا ہے اور انسانی زندگی کی کتنی اہم ترین ضرورت ہے؟ 9

رسولوں کا منصب : 9

رسول کی پہچان : 9

قرآن مجید کے مطابق رسول کی حیثیت : 10

منصب نبوت کے فرائض قرآن کی روشنی میں 11

رسول بحیثیت شارح کتاب اللہ : 12

رسول بحیثیت پیشوا و نمونہ عمل : 13

رسول بحیثیت قاضی : 13

رسول ﷺ بحیثیت حاکم و فرماں روا : 14

حضور ﷺ کے تشریعی کام کی نوعیت: 15

سنت اور اتباعِ سنت کا مفہوم: 17

حدیث کی اہمیت : 17

روایت بالمعنٰی : 19

حدیث کی حفاظت : 20

اشاعت حدیث : 21

کون سے صحابی آپ ﷺ کی وفات کے کتنے عرصہ بعد وفات پائے : 22

حدیث کا تحریری سرمایہ : 22

تشکر

حدیث کا موضوع نہایت اہم اور فی نفس الوقت نہایت دلچسپ بھی ہے۔ حدیث اُس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے قول یا عمل یا کسی صحابی کے عمل پر آپؐ کے سکوت یا آپؐ کی صفات میں سے کسی صفت کا ذکر کیا گیا ہو۔

کچھ دنوں سے دشمنانِ اسلام کی طرف سے محبت حدیث پر مختلف عنوانوں کے تحت حملے کیے جارہے ہیں؛ تاکہ مسلمانوں کا اعتماد حدیث سے اُٹھ جائے، اس کے لئے حجیت حدیث کا موضوع نہایت اہم ہے۔ حجیت کے معنی استدلال (کسی حکم کو ثابت کرنا) کے ہیں، یعنی قرآن کریم کی طرح حدیث نبویؐ سے عقائد واحکام و فضائل اعمال ثابت ہوتے ہیں البتہ اس کا درجہ قرآن کے بعد ہے۔ جس طرح ایمان کے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تفریق نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ ایک کو مانا جائے اور ایک کو چھوڑ دیا جائے، ٹھیک اِسی طرح کلام اللہ اور کلام رسولؐ کے درمیان کسی تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ایک کو مانا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے؛ کیونکہ اِن دونوں میں سے کسی ایک کے انکار پر دوسرے کا انکار خود بہ خود لازم آئے گا۔ خدائی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کے کلام کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا جائے مگر اس کے نبی ﷺ کے کلام کو تسلیم نہ کیا جائے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرمادیا ہے: فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰـكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ (سورہ انعام: ۳۳)

"اے نبیؐ! یہ لوگ آپ کے کلام کو نہیں ٹھکراتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں"۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن کریم پر ایمان اور اس کے مطابق عمل کرنے کی طرح احادیث نبویہ پر ایمان لانا اور ان کے مطابق زندگی گزارنا ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔

ہمیں انتہائی خوشی و مسرت ہے اور ان سطور کو پیش کرتے ہوئے ہمیں فخر محسوس ہو رہا ہے کہ اللہ نے ہمیں اِن چیزوں کو سیکھنے کا موقع دیا جبکہ اِن باتوں کو جاننے کا عام مسلمانوں کو موقع نہیں ملتا۔ ہم پہلے تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اتنے اہم موضوع پر سیکھنے کا موقع ہمیں "لرن دین وِدعابدین اکیڈمی" کے ذریعہ ملا۔ اس کے لئے ہم اپنے استاذ محترم مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے یہ سلسلہ شروع کیا اور ہم کو اس مبارک سلسلہ سے جوڑا۔ ہم سب آپ کے انتہائی مشکور ہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ مزید کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مجید اللہ خان

اکتوبر 2020

مقدمہ

اسلام کی نعمت ہر زمانے میں انسان کو دو ہی ذرائع سے پہنچی ہے: ایک اللہ کا کلام، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں جن کو اللہ نے نہ صرف اپنے کلام کی تبلیغ اور تفہیم کا واسطہ بنایا، بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت و رہنمائی کے منصب پر مامور کیا، تاکہ وہ کلام اللہ کا ٹھیک ٹھیک منشا پورا کرنے کے لیے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی تعمیر صالح کر دکھائیں۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام کا صحیح فہم انسان کو اگر حاصل ہو سکتا ہے تو اس کی صُورت صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کو حضرت محمد ﷺ سے اور حضرت محمد ﷺ کو قرآن سے سمجھے۔ اِن دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا اس نے اسلام کو سمجھا، ورنہ فہم دین سے محروم رہا اور نتیجۃً ہدایت سے بھی۔ پھر قرآن مجید اور حضرت محمد ﷺ دونوں چونکہ ایک مشن رکھتے ہیں، ایک مقصد ومدّعا کو لیے ہوئے آتے ہیں، اس لیے ان کو سمجھنے کا اِنحصار اس پر ہے کہ ہم ان کے مشن اور مقصد ومدّعا کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔

سیرت سرور عالم ﷺ سدا بہار موضوع ہے۔ چاہے آپ سیرت کے کسی گوشہ کو لے لیں وہ یہ موضوع ہوگا جس کی خوشبو سے لکھنے اور پڑھنے والے مسلمان کبھی سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ پر صدیوں سے لکھا جا رہا ہے اور قیامت تک لکھا جاتا رہے گا۔ ہر لکھنے والا اپنے لیے سعادت اور پوری عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے اپنے انداز میں رسول ﷺ کے ساتھ محبت اور پیار کا اظہار کرتا ہے اور آپ ﷺ کی سیرت پاک کے مختلف پہلو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بلاشبہ سیرت پاک پر مختلف زبانوں میں زمانہ قدیم سے آج تک لاکھوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جسے سیرت نگاروں نے بیان نہ کیا ہو۔ زندگی کی وہ اہم گھڑی اور تاریخ دل و دماغ پر ہمیشہ کے لیے نقش ہوگئی جب میں بھی اس کورس کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے شریک ہوگیا۔ الحمد للہ آج کورس اپنے آخری پڑاؤ کی طرف رواں دواں ہے تو پروجیکٹ کی تیاری کا مرحلہ گروپ کی تشکیل کے بعد آیا۔ گروپ کے ذمہ دار اور دیگر گروپ ممبران کے باہمی مشورے اور اتفاق رائے سے اس خاکسار کے حصے میں "سنت کی حجیت - قرآن اور حدیث کی روشنی میں" کے عنوان پر پروجیکٹ منتخب کیا گیا۔

باوجودیکہ میں نے اپنے علمی کم مائیگی اور ناتجربہ کاری کا عذر کیا، لیکن اپنے لیے اس عنوان کو ایک نعمت غیر مترقبہ تصور کرتے ہوئے فوری آمادگی کا اظہار کیا، چونکہ میں اپنے لیے زندگی کا مقصود دعوت دین قرار دیتا ہوں، اور اس برج کورس کا عملاً مقصد معاشرہ میں دعوت دین کا کام اور حقیقتاً رضائے اِلٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ایک مومن کا مقصد ہے، یہی وجہ تھی جس نے اس پروجیکٹ کے انتخاب پر مجبور کیا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ استاد محترم مفتی عمر عابدین قاسمی مدنی کا اپنے طلبہ اور طالبات کے ساتھ بے انتہا محبت، ہمت و حوصلہ پیدا کرنا بھی محرک بنا۔ مختلف انداز سے کسی طرح پروجیکٹ کو تیار کرنا، بہت مفید اور زرّین

مشوروں سے ہم تمام طلبہ اور طالبات کو مستفید کرنا، جس کے نتیجہ میں ہم تمام کے اندر انتہائی دلچسپ اور غیر معمولی انداز میں کچھ کر گذرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

آخر میں میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ جو کچھ اس مقالہ میں درج ہے وہ استاد محترم مفتی عمر عابدین قاسمی ومدنی کے اس عنوان کے تحت دیے ہوئے دروس اور مختلف معروف اور مسلم دنیا کے جیّد اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل حضرات کی کتابوں، تحریروں، اشارات، تقاریر اور مقالات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ پڑھی ہوئی چیزوں کو دوبارہ پڑھنا ایک حد تک آدمی کو ناگوار گزرتا ہے لیکن پڑھنے والے جب اس مقالہ کو پڑھیں گے تو خود محسوس کریں گے کہ پروجیکٹ کے عنوان سے متعلق جو مضامین مختلف کتب میں بکھرے ہوئے تھے اور سالہا سال کے دوران مختلف مواقع پر لکھے گئے تھے، وہ یہاں ان کے سامنے یکجا اور کسی حد تک مُرتّب صُورت میں ان شاء اللہ آگئے ہیں، اس طرح ان کا اس مجموعہ کی صورت میں مطالعہ اس مطالعہ کی بہ نسبت اپنا ایک جُداگانہ فائدہ رکھتا ہے جو متفرق صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

والسلام

محمد مجید اللہ خان

حیدرآباد

موبائل: 8008464476

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز :

اللہ رب العزت نے دنیا کا آغاز ہی اپنے نبی کو پیدا کر کے کیا، پھر انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں اور اپنی کتابوں کے ذریعہ انسانیت کے نہ صرف تعلیم اور تفہیم کا واسطہ بنایا بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت ورہنمائی پر بھی مامور کیا، تاکہ وہ کلام اللہ کا ٹھیک ٹھیک منشا پورا کرنے کے لیے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑنے نہ دیں اور بگڑتے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی تعمیر صالح کر دکھائیں۔

یہ دونوں چیزیں ہمیشہ سے ایسی لازم وملزوم رہی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کسی سے الگ کر کے نہ انسان کو کبھی دین کا صحیح فہم نصیب ہو سکا اور نہ وہ ہدایت سے مستفید ہو سکا۔

پرانے ادوار کی طرح اب اس نئے دور میں بھی انسان کو نعمت اسلام میسر آنے کے دو ہی ذرائع ہیں جو ازل سے چلے آرہے ہیں۔ایک اللہ کا کلام جو اب قرآن مجید کی صورت ہی میں مل سکتا ہے۔دوسرے اُسوہ نبوت جو اب صرف محمد ﷺ کی سیرت پاک ہی میں محفوظ ہے۔آپ ﷺ کی حیات طیبّہ کے دور میں جو اسلام تھا آج بھی وہی اسلام باقی ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہیکہ انہوں نے قرآن کو حضرت محمد ﷺ سے اور حضرت محمد ﷺ کو قرآن سے سمجھا۔ان دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا اس نے اسلام کو سمجھا، ورنہ فہم دین سے بھی محروم رہا اور ہدایت سے بھی محروم رہا۔

قرآن مجید کی آیتوں سے حجیت رسول :

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ‌ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ

" درحقیقت ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان خود اُن ہی میں سے ایک ایسا رسول اٹھایا جو اُنہیں اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور اِنہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے"۔ (سورہ آل عمران : ۱۶۴)

اسلام دراصل اُس تحریک کا نام ہے جو اللہ واحد کی حاکمیت کے نظریہ پر انسانی زندگی کی پوری عمارت تعمیر کرنا چاہتی ہے۔یہ تحریک قدیم ترین زمانے سے ایک ہی بنیاد اور ایک ہی ڈھنگ پر چلی آرہی ہے، اس کے رہنما وہ لوگ تھے جن کو رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ہمیں اگر اس تحریک کو چلانا ہے تو لامحالہ ان ہی رہنماؤں کے طرز عمل کی پیروی کرنی ہوگی؛ کیونکہ اس کے سوا کوئی طرز عمل اس خاص نوعیت کی تحریک کے لیے نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ‌ۚ

اور ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا جس نے یہ پیغام دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے پرہیز کرو۔ (النحل : ۳۶)

انبیاء کرام کی دعوت :

اس سلسلے میں جب ہم انبیاء علیہم السّلام کے نقش قدم کا سراغ لگانے کے لیے نکلتے ہیں تو ہمیں ایک بڑی دِقت کا سامنا ہوتا ہے۔ قدیم زمانے میں جو انبیاء گزرے ہیں ان کے کام کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتی۔ قرآن میں کچھ مختصر اشارات ملتے ہیں مگر ان سے مکمل رہنمائی نہیں ملنے سے کوئی لائحہ عمل نہیں بن سکتا۔ بائبل کے عہد جدید New Testament میں حضرت مسیح علیہ السلام کے کچھ غیر مستند اقوال بھی ملتے ہیں جن سے کسی حد تک اس پہلو پہ روشنی پڑتی ہے کہ اسلامی تحریک اپنے بالکل ابتدائی مرحلے میں کس طرح چلائی جاتی ہے اور کن مسائل سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے، لیکن بعد کے مراحل حضرت مسیح علیہ السلام کو پیش ہی نہیں آئے کہ ان کے متعلق کوئی اشارہ وہاں سے مل سکے۔ اس معاملے میں ہم کو صرف ایک ہی جگہ سے پوری اور مکمل رہنمائی ملتی ہے اور وہ حضرت محمد ﷺ کی زندگی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ‌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ‌ ؕ

محمد (ﷺ) کچھ نہیں ہیں مگر ایک رسول ہیں، اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ (آل عمران : ۱۴۴)

اس طرف ہمارے رجوع کرنے کی وجہ خالص عقیدت مندی ہی نہیں ہے بلکہ دراصل اس راہ کے نشیب و فراز معلوم کرنے کے لیے اس طرف رجوع کرنے پر ہم مجبور ہیں۔ اسلامی تحریک کے تمام رہنماؤں میں سے صرف ایک آپ ﷺ ہی وہ تنہا رہنما ہیں جن کی زندگی میں ہم کو اس تحریک کی ابتدائی دعوت سے لے کر اسلامی اسٹیٹ کے قیام تک، اور پھر قیام کے بعد اس اسٹیٹ کی شکل، دستور، داخلی و خارجی پالیسی اور نظم مملکت کے نہج تک ایک ایک مرحلے اور ایک ایک پہلو کی پوری تفصیلات اور نہایت مستند تفصیلات ملتی ہیں۔

يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ‌ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ‌ ۙ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ

وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے اور اُن بندشوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ دبے اور جکڑے ہوئے تھے؛ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی تائید و حمایت کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ لازم کیا گیا ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (اعراف۔ ۱۵۷)

ان سب کے اخلاق پاکیزہ ہیں، سیر تیں انتہا درجہ کی نیک ہیں، اور حسن خلق میں یہ اپنے دوسرے ابنائے نوع سے ممتاز ہیں۔ پھر ان کے اندر جنون کا بھی کوئی اثر نہیں پایا جاتا؛ بلکہ اس کے بر عکس وہ تہذیبِ اخلاق، تزکیہ نفس اور دنیوی معاملات کی اصلاح کے لیے ایسی ایسی تعلیمات پیش کرتے اور ایسے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کے مثل بنانا تو در کنار، بڑے بڑے علماء و عقلاء کو ان کی باریکیاں سمجھنے میں پوری پوری عمریں صرف کر دینی پڑتی ہے۔

پیغمبری کیا ہے اور انسانی زندگی کی کتنی اہم ترین ضرورت ہے؟

دنیا میں اِنسان کو جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اللہ نے اُن سب کا انتظام خود ہی کر دیا ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو کتنا سامان زندگی اس کو دے کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان، سونگھنے اور سانس لینے کے لیے ناک، محسوس کرنے کے لیے سارے جسم کی کھال، چلنے کے لیے پاؤں، کام کرنے کے لیے ہاتھ، سوچنے کے لیے دماغ اور ایسی ہی بے شمار دوسری چیزیں جو پہلے سے اس کی سب ضرورتوں کا لحاظ کر کے اس کے چھوٹے سے جسم میں لپیٹ کر رکھ دی گئی ہیں؛ مگر کوئی یہ بتانے والا بھی تو ہونا چاہیے کہ انسان خود کس کے لیے ہے؟ انسان کو دُنیا میں یہ سب سامان کس نے دیا ہے؟ اور اس دینے والے کی مرضی کیا ہے؟ تاکہ انسان اِسی کے مطابق دُنیا میں زندگی بسر کر کے یقینی اور دائمی کامیابی حاصل کرے۔ یہ انسان کی اصلی اور سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اور عقل یہ ماننے سے انکار کرتی ہے کہ جس اللہ نے ہماری چھوٹی سے چھوٹی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام کیا ہے اُس نے ایسی اہم ضرورت کو پورا کرنے سے غفلت برتی ہوگی۔ نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے!

رسولوں کا منصب:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایک ایک ہنر اور ایک ایک علم و فن کی خاص قابلیت رکھنے والے انسان پیدا کیے ہیں، اسی طرح ایسے انسان بھی پیدا کیے ہیں جن میں خود اللہ کو پہچاننے کی اعلیٰ قابلیت تھی۔ اُس نے ان کو دین اور اخلاق اور شریعت کا علم اپنے پاس سے عطا کیا اور ان کو اس خدمت پر مقرر کیا کہ دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم دیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہماری زبان میں نبی یا رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے۔

رسول کی پہچان:

جس طرح دوسرے علوم و فنون کے باکمال لوگ ایک خاص قسم کے ذہن اور ایک خاص قسم کی طبیعت لے کر پیدا ہوتے ہیں اُسی طرح پیغمبر بھی ایک قسم کی طبیعت لے کر آتے ہیں۔

ایک پیدائشی شاعر کا کلام سنتے ہی ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شاعری کی خاص قابلیت لے کر پیدا ہوا ہے؛ کیونکہ دوسرے لوگ خواہ کتنی ہی کوشش کر لیں ویسے شعر نہیں کہہ سکتے، اسی طرح ایک پیدائشی مقرر، ایک پیدائشی انشاء پرداز، ایک پیدائشی موجد، ایک پیدائشی لیڈر بھی اپنے کارناموں سے صاف پہچان لیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے کام میں غیر

معمولی قابلیت کا اظہار کرتا ہے جو دوسروں میں نہیں ہوتی۔ اُس کے ذہن میں وہ باتیں آتی ہیں جو دوسرے لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ وہ ایسے مضامین بیان کرتا ہے جو اس کے سوا کوئی دوسرا انسان بیان نہیں کر سکتا۔ اس کی نظر ایسی باریک باتوں تک خود بخود پہنچ جاتی ہے جن تک دوسروں کی نظر برسوں کے غور و فکر کے بعد بھی نہیں پہنچتی۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ہماری عقل اس کو قبول کرتی ہے، ہمارا دل اس کی گواہی دیتا ہے کہ ضرور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ دُنیا کے تجربات اور کائنات کے مشاہدوں سے اس کی ایک ایک بات سچی ثابت ہوتی ہے؛ لیکن اگر ہم خود ایسی بات کہنا چاہیں تو نہیں کہہ سکتے۔ پھر اس کی طبیعت ایسی پاکیزہ ہوتی ہے کہ ہر وہ معاملے میں سچا اور شریفانہ طریقہ اختیار کرتا ہے، وہ کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا، کوئی بُرا کام نہیں کرتا۔ ہمیشہ نیکی اور صداقت کی تعلیم دیتا ہے اور جو کچھ دوسروں سے کہتا ہے اس پر عمل کر کے دکھاتا ہے۔ اس کی زندگی میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ وہ جو کچھ کہے اس کے خلاف عمل کرے۔ اس کے قول و عمل میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی، وہ دوسروں کے بھلے کے خاطر خود نقصان اُٹھاتا ہے اور اپنے بھلے کے لیے دوسروں کا نقصان نہیں کرتا۔ اس کی ساری زندگی سچائی، شرافت، پاک نیتی، بلند خیالی اور اعلیٰ درجے کی انسانیت کا نمونہ ہوتی ہے جس میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ ان ہی چیزوں کو دیکھ کر صاف پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص اللہ کا سچا پیغمبر ہے۔

قرآن مجید کے مطابق رسول کی حیثیت :

رسولوں کا تقرر اللہ خود فرماتا ہے۔ امراء و حکام کی طرح مخلوق ان کا تقرر نہیں کرتی، نہ مخلوق کے مشوروں کی اس میں کوئی رعایت کی جاتی ہے اور نہ ہی انہیں اس کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔ اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ "اللہ ہی فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب فرماتا ہے"۔ اس آیت سے معلوم ہو کہ یہ منصب براہ راست اللہ کے انتخاب پر موقوف ہے، بندوں کے سپرد نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس منصب کے لئے تمام مخلوقات میں صرف ان دونوں مخلوق کا انتخاب عمل میں آیا یعنی ملائکہ اور انسان، اس لیے جنات میں سے کوئی رسول نہیں ہوا بلکہ اس معاملہ میں وہ انسانوں کے تابع رہتے ہیں۔ غرض رسالت کا معاملہ رزق کی طرح صرف اللہ کی تقسیم پر موقوف ہے، اس لیے جب کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں رائے زنی شروع کر دی تو نہایت سخت لہجے میں یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا گیا کہ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَـتَهٗ "اللہ ہے خوب جانتا ہے کہ اسے اپنے رسول کسے بنانا ہے"۔

چونکہ اللہ خود ہی ان کا انتخاب کرتا ہے اس لیے خود ہی ان کی تعلیم کا انتظام بھی کرتا ہے۔ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ "پڑھو اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے"۔ نہ صرف اتنا بلکہ اللہ پڑھا کر خود انہیں یاد بھی کراتا ہے اور اگر اس میں سے کچھ حصہ وہ بھول جاتے ہیں تو وہ بھی اسی کی مشیت کے ماتحت ہوتا ہے۔ سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى ۙ‏ 6 اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ "ہم آپ کو (اے محمد) پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے، بجز اس کے جس کو اللہ چاہے"۔ پھر اللہ مزید فرماتا ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا

بَيَانَهٗ " پھر اس کو بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے "۔ جس طرح اللہ ان کی تعلیم و تربیت کرتا ہے اسی طرح ان کی اخلاقی تربیت بھی خود ہی کرتا ہے، اسی لیے عین بد اخلاقی کے دور میں وہ ایسے بلند اخلاق کے مالک ہوتے ہیں جہاں دُنیا اپنے پورے عروج کے بعد بھی نہیں پہنچتی۔ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ، " مومنوں کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آتے رہیے "، وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمۡشِ فِى الۡاَرۡضِ مَرَحًا، " لوگوں کے ساتھ بے رخی نہ کیجیے اور زمین پر اترا کر نہ چلیے "۔ یہی نہیں بلکہ جس طرح اللہ ان کی تعلیم اور اخلاقی نگہبانی کرتا ہے اسی طرح ان کے جسمانی تحفظ کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔

منصب نبوت کے فرائض قرآن کی روشنی میں

منکرین حدیث کا دعویٰ ہے کہ رسول ﷺ کی اصل ذمہ داری بحیثیت رسول کے صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر جو وحی نازل فرمائے اسے آپ لوگوں تک پہنچادیں، اس کے بعد بحیثیت رسول کے آپ کا فرض ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نہ تو اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی ذمہ داری ہے اور نہ قرآن کے سوا آپ ﷺ کے کسی قول یا فعل کی کوئی مستقل شرعی اہمیت ہے، ذیل میں اس کے متعلق حقائق ملاحظہ ہوں۔

رسول بحیثیت معلم و مربی: قرآن عزیز میں چار مقامات پر نبی ﷺ کے منصب رسالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ

اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود ان ہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اسی دعا کے مطابق جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اللہ نے صحابہ کرام پر اپنے اس احسان عظیم کا اظہار یوں فرمایا:

كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ

جیسا کہ ہم نے ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، وہ تم پر ہمارے احکام پڑھتے ہیں اور وہ تمہیں پاک کرتے ہیں اور تمہیں کتاب و حکمت و دانائی سکھاتے ہیں، اور تمہیں وہ سکھاتے ہیں جو تم نہ جانتے تھے۔

تمام مومنین پر اس احسان عظیم کا ذکر یوں ہو رہا ہے:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ

بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب ان میں ایک رسول بھیجا اُن کے درمیان سے، وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ نے اہل عرب پر اپنے احسان عظیم کا اظہار یوں فرمایا:

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ

اللہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کیا کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

مندرجہ بالا چاروں آیات میں رسول ﷺ کے چار فرائض بتائے گئے ہیں۔

(۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ۔

ظاہر ہے کہ کتاب اور حکمت کی تعلیم صرف قرآن کے الفاظ سنا دینے سے زائد ہی کوئی چیز تھی ورنہ اس کا الگ ذکر کرنا بے معنی تھا۔ اس طرح افراد اور معاشرے کی تربیت کے لیے آپ جو تدبیر بھی اختیار فرماتے تھے وہ بھی قرآن کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے زائد ہی کچھ تھی، ورنہ تربیت کی اس الگ خدمت کا ذکر کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ اب فرمائیے کہ قرآن پہنچانے کے علاوہ یہ معلم مربی کے مناصب جو حضور ﷺ کو حاصل تھے ان پر آپؐ خود فائز ہو بیٹھے تھے یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر مامور فرمایا تھا؟ کیا قرآن کی ان صاف اور مکرر تصریحات کے بعد اس کتاب پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ دونوں مناصب رسالت کے اجزاء نہ تھے اور آپ ﷺ ان مناصب کے فرائض اور خدمات بحیثیت رسول نہیں بلکہ اپنی پرائیویٹ حیثیت سے انجام دیتے تھے؟ اگر نہیں کہہ سکتا تو بتائیے کہ قرآن کے الفاظ سنانے سے زائد جو باتیں آپ ﷺ تعلیم، کتاب و حکمت کے سلسلے میں فرمائیں اور اپنے قول و عمل سے افراد اور معاشرے کی تربیت آپ ﷺ نے کی اسے منجانب اللہ ماننے اور سند تسلیم کرنے سے انکار خود رسالت کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

رسول بحیثیت شارح کتاب اللہ:

سورہ نحل میں اللہ کا ارشاد ہے: **وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ**، "اے نبی! یہ ذکر ہم نے تمہارے طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے اس تعلیم کو واضح کردو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔ (نحل: ۴۴)

اس آیت کی رو سے نبی ﷺ قرآن کے شارح اپنی ذاتی حیثیت میں تھے اور اللہ نے آپ کو شارح مقرر کیا تھا۔ یہاں تو اللہ اپنے رسولؐ پر کتاب نازل کرنے کا مقصد ہی یہ بیان کر رہا ہے کہ رسول اپنے قول اور عمل سے اس کا مطلب واضح کرے۔ پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ شارح قرآن کی حیثیت سے آپ ﷺ کے منصب کو رسالت کے منصب سے الگ قرار دیا جائے اور آپ

کے پہنچائے ہوئے الفاظ قرآن کو لے کر آپ کی شرح و تفسیر قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے؟ کیا یہ انکار خود رسالت کا انکار نہ ہو گا؟

رسول بحیثیت پیشوا و نمونہ عمل :

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿31﴾
قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ‌ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿32﴾

آپ کہہ دیں: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ آپ کہہ دیں: تم اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، پھر اگر وہ پھر جائیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ (آل عمران: ۳۱،۳۲)

لَقَدۡ كَانَ لَـكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا

تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک نمونہ تقلید ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو۔ (الاحزاب: ۲۱)

ان دونوں آیتوں میں خود اللہ اپنے رسول کو پیشوا مقرر کر رہا ہے، ان کی پیروی کا حکم دے رہا ہے، ان کی زندگی کو نمونہ تقلید قرار دے رہا ہے اور صاف فرما رہا ہے کہ یہ روش اختیار نہ کرو گے تو مجھ سے کوئی امید نہ رکھو، میری محبت اس کے بغیر تمہیں حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس سے منہ موڑنا کفر ہے۔

اب فرمائیے کہ آپ ﷺ رہنما اور لیڈر خود بن بیٹھے تھے؟ یا مسلمانوں نے آپ کو منتخب کیا تھا؟ یا اللہ نے اس منصب پر آپ کو مامور کیا تھا؟ اگر قرآن کے یہ الفاظ بالکل غیر مشتبہ طریقے سے آپ ﷺ کو مامور من اللہ رہنما و پیشوا قرار دے رہے ہیں تو پھر آپؐ کی پیروی اور آپؐ کے نمونۂ زندگی کی تقلید سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہنا سراسر لغو ہے کہ اس سے مراد قرآن کی پیروی ہے۔ اگر یہ مراد ہوتی تو فَاتَّبِعُوا الْقُرْآنَ فرمایا جاتا نہ کہ فَاتَّبِعُوْنِيْ، اور اس صورت میں رسول ﷺ کی زندگی کو اُسوہ حسنہ کہنے کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

رسول بحیثیت قاضی :

قرآن میں ایک جگہ نہیں بلکہ بہت سارے مقامات پر اللہ تعالیٰ اس امر کی تصریح فرماتا ہے کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کو قاضی مقرر کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ؕ

اے نبی ! ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نارل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو۔۔۔ (النساء: ۱۰۵)

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ

اور (اے نبی) کہو کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان عدل کروں۔ (الشوریٰ: ۱۵)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم سنا اور مان لیا۔ (النور: ۵۱)

رسول ﷺ بحیثیت حاکم وفرماں روا:

قرآن مجید اسی صراحت اور تکرار کے ساتھ کئی مقامات پر یہ بات بھی کہتا ہے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حاکم وفرماں روا تھے، اور آپ کو یہ منصب بھی رسول ہی کی حیثیت سے عطا ہوا تھا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم ہی سے۔ (نساء: ۶۴)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

جو رسول کی اطاعت کرے تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی (نساء: ۸۰)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ

(اے نبی) یقیناً جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ (فتح: ۱۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرلو۔ (محمد: ۳۳)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کردے تو پھر ان کے لیے اپنے اس معاملے میں خود کوئی فیصلہ کرلینے کا اختیار باقی رہ جائے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب ۳۶)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

اے ایمان والو ! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز آخرت پر۔ (النساء: ۵۹)

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسول کوئی ایسا حاکم نہیں ہے جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا سربراہ بن بیٹھا ہو یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو، بلکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور کیا ہوا فرماں روا ہوتا ہے۔ اس کی فرماں روائی اس کے منصب رسالت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم مطاع ہونا ہے۔ اس کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے اور اس سے بیعت دراصل اللہ سے بیعت ہے۔ اس کی اطاعت نہ کرنے کے معنی اللہ کے نافرمانی کے ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہو گا۔

حضور ﷺ کے تشریعی کام کی نوعیت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قانون سازی میں یہ قاعدہ استعمال فرمایا ہے کہ اس نے قرآن میں مجمل احکام اور ہدایات دے کر، یا کچھ "اصول" بیان کر کے، یا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسول ﷺ کے سپرد کیا کہ وہ نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب کریں بلکہ عملاً اسے برت کر اور اس کے مطابق کام کر کے بھی دکھا دیں۔ یہ تفویضِ اختیارات کا فرمان خود قانون کے متن (یعنی قرآن مجید) میں موجود ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ، "اور (اے نبیؐ) ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے واضح کر دو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے"۔ (النحل: ۴۴)

اس صریح فرمانِ تفویض کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کا قولی اور عملی بیان قرآن کے قانون سے الگ کوئی چیز ہے۔ یہ درحقیقت قرآن ہی کی رُو سے اس کے قانون کا ایک حصہ ہے، اس کو چیلنج کرنے کے معنیٰ خود قرآن کو اور خدا کے پروانۂ تفویض کو چیلنج کرنے کے ہیں۔

اس تشریعی کام کی چند مثالیں:

یہ اگرچہ کہ نکتہ کا پورا جواب ہے؛ لیکن مزید تفہیم کی خاطر چند مثالیں دی جا رہی ہیں جن کی مدد سے آپ سمجھ سکیں گے کہ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح و بیان کے درمیان کس قسم کا تعلق ہے۔

- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (التوبہ: ۱۰۸) اور نبی ﷺ کو ہدایت کی کہ اپنے لباس کو پاک رکھیں: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر: ۴)، حضور ﷺ نے اس منشا پر عمل درآمد کرنے کے لئے استنجاء اور طہارتِ جسم و لباس کے متعلق مفصل ہدایات دیں اور خود بھی ان پر عمل کر کے بتایا۔

- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر تم کو جنابت لاحق ہو جائے تو پاک ہوئے بغیر نماز نہ پڑھو (النساء : ۴۳، المائدہ : ٦) نبی ﷺ نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ جنابت سے کیا مراد ہے، اس کا اطلاق کن حالتوں پر ہوتا ہے اور کن حالتوں پر نہیں ہوتا اور اس سے پاک ہونے کا طریقہ کیا ہے۔
- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب تم نماز کے لئے اُٹھو تو اپنا منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سر پر مسح کرو اور پاؤں دھولو یا ان پر مسح کرو (المائدہ : ٦)۔ نبی ﷺ نے بتایا کہ منہ دھونے کے حکم میں کلّی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے۔ کان سر کا ایک حصہ ہیں اور سر کے ساتھ ان پر بھی مسح کرنا چاہیے۔ پاؤں میں موزے ہوں تو مسح کیا جائے اور موزے نہ ہوں تو ان کو دھونا چاہیے۔ اس کے ساتھ آپ نے تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ وضو کن حالات میں ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالات میں باقی رہتا ہے۔
- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ رکھنے والا رات کو اس وقت تک کھا پی سکتا ہے جب تک فجر کے وقت کالا دھاگہ سفید دھاگے سے ممیّز نہ ہو جائے: **حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ** (البقرہ : ١٨٧)۔ نبی ﷺ نے بتایا کہ اس سے مراد تاریکیِ شب کے مقابلے میں سپیدۂ صبح کا نمایاں ہونا ہے۔
- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں بعض اشیاء کے حرام اور بعض کے حلال ہونے کی تصریح کرنے کے بعد باقی اشیاء کے متعلق یہ عام ہدایت فرمائی کہ تمہارے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کی گئی ہیں (المائدہ : ۴)۔ نبی ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے اس کی تفصیل بتائی کہ پاک چیزیں کیا ہیں جنھیں ہم کھا سکتے ہیں اور ناپاک چیزیں کونسی ہیں جن سے ہم کو بچنا چاہیے۔
- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میت کی نرینہ اولاد کوئی نہ ہو اور ایک لڑکی ہو تو وہ نصف ترکہ پائے گی اور دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کو ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا (النساء : ١١)۔ اس میں یہ بات واضح نہ تھی کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو وہ کتنا حصہ پائیں گی، نبی ﷺ نے توضیح فرمائی کہ دو لڑکیوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا دو سے زائد لڑکیوں کا مقرر کیا گیا۔
- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا (النساء : ٢٣)، نبی ﷺ نے بتایا کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔
- قرآن مردوں کو اجازت دیتا ہے کہ دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کرلیں (النساء : ٣)۔ یہ الفاظ اس معاملہ میں قطعاً واضح نہیں ہیں کہ ایک مرد بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ حکم کے اس منشا کی وضاحت نبی ﷺ نے فرمائی اور جن لوگوں کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں ان کو آپ نے حکم دیا کہ زائد بیویوں کو طلاق دے دیں۔

- قرآن حج کی فرضیت کا عام حکم دیتا ہے اور یہ صراحت نہیں کرتا کہ اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے آیا ہر مسلمان کو ہر سال حج کرنا چاہیے یا عمر میں ایک بار کافی ہے، یا ایک سے زیادہ مرتبہ جانا چاہیے (آلِ عمران: ۹۷)۔ یہ نبی ﷺ ہی کی تشریح ہے جس سے ہم کو معلوم ہوا کہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج کر کے آدمی فریضۂ حج سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔
- قرآن سونے اور چاندی کے جمع کرنے پر سخت وعید فرماتا ہے۔ سورہ توبہ کی آیت ۳۴ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے، اس کے عموم میں اتنا گنجائش بھی نظر نہیں آتی کہ آپ روزہ مرہ کے خرچ سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھ سکیں یا آپ کے گھر کی خواتین کے پاس سونے یا چاندی کا ایک تار بھی زیور کے طور پر رہ سکے۔ یہ نبی ﷺ ہی ہیں جنہوں نے بتایا کہ سونے اور چاندی کا نصاب کیا ہے اور بقدرِ نصاب یا اس سے زیادہ سونا چاندی رکھنے والا آدمی اگر اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ ادا کر دے تو وہ قرآن مجید کی اس وعید کا مستحق نہیں رہتا۔

ان چند مثالوں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ تشریعی اختیارات کو استعمال کر کے قرآن کے احکام وہدایات اور اشارات و مضمرات کی کس طرح شرح و تفسیر فرمائی ہے۔ یہ چیز چونکہ خود قرآن میں دیے ہوئے فرمانِ تفویض پر مبنی تھی اس لئے یہ قرآن سے الگ کوئی مستقل بالذات قانون نہیں ہے؛ بلکہ قرآن کے قانون ہی کا ایک حصہ ہے۔

سنت اور اتباعِ سنت کا مفہوم:

تیسرا نکتہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع یہ ہے کہ جو کام حضور ﷺ نے کیا وہی ہم کریں، نہ یہ کہ جس طرح حضورؐ نے کیا اسی طرح ہم بھی کریں۔ ”اگر حضورؐ نے مَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ کو دوسروں تک پہنچایا تو اُمت کا بھی فریضہ ہے کہ مَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ کو دوسروں تک پہنچائے....“

حدیث کی اہمیت:

اسلام کی بنیاد در حقیقت قرآن اور حدیث پر قائم ہے۔ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کا نام ہے۔ اسلام کا علم حاصل کرنے کے سلسلے میں کتاب وسنت میں سے کسی ایک سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، ان کو جب تک مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو سکتے اور وہ ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت“۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور سنت رسولؐ دونوں ہی قیامت تک کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

خود قرآن میں بھی اللہ کا فرمان ہے: ”(اے نبیؐ! لوگوں سے) کہو: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا“۔ نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی۔ گویا محمدؐ لوگوں کے درمیان حدِّ فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حدیث حقیقت میں قرآن ہی کی تفصیل اور اس کی وضاحت ہے۔ مثلاً قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ اور اس سے متعلق دوسری ساری تفصیلات ہمیں احادیث سے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی پر دوسرے احکام کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ دینی اُمور میں قرآن بالعموم اصولی تعلیم دیتا ہے اور پھر نبی ﷺ کے ارشادات وافعال سے ان کی تفصیلات کا ہمیں علم حاصل ہوتا ہے۔ آپؐ نے اپنے قول و عمل سے قرآنی احکام کی وضاحت فرمائی اور عملی زندگی میں ان کو نافذ فرمایا۔ اصولی احکام کو تفصیلی شکل دینا درحقیقت آپؐ کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا ہے: ''اے نبی، ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے لیے اس تعلیم کو واضح کرو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے''۔

یہ بات علماء و محدثین پر واضح رہی ہے کہ حدیث حقیقت میں قرآن ہی کی شرح ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: علیک بالسنة ؛ فانها شارحة للقرأن و موضحة له '' تم پر سنت کی پیروی لازم ہے کیونکہ وہ قرآن کی شرح اور اس کی تفسیر ہے''۔ یہی بات امام شاطبی نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: فکانت السنة بمنزلته ''گویا سنت کو کتاب اللہ کے معانی کے لیے تفسیر وشرح کا درجہ حاصل ہے''۔

خود احادیث میں ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ حدیث بھی ہماری ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ عبد قیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار حائل ہیں۔ ہم حرام مہینوں کے سوا دوسرے دنوں میں آپ کے پاس حاضر نہیں ہوسکتے، تو آپؐ نے نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا: احفظوہ واخبروہ من ورائکم ''ان کو خوب محفوظ رکھو اور یاد کرلو اور جو لوگ تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں انہیں ان سے واقف کراؤ''۔

اسی طرح مالک بن حویرث بیان کرتے ہیں: قال لنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ارجعوا الی اہلیکم وعلموہم ''آپؐ نے ہم سے فرمایا کہ اپنے گھروں کو واپس لوٹو اور اپنے لوگوں کو وہ باتیں سکھاؤ جو میں نے تمہیں سکھائی ہیں''۔

اس کے علاوہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا قبیلہ اسلام قبول کرتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ میں سے کسی کو ان کی طرف بھیج دیا کرتے تھے؛ تاکہ وہ اس قبیلہ کے درمیان رہ کر اس کے لوگوں کو دینی احکام کی تعلیم دے، اور اس کام کے لیے آپؐ اسے منتخب فرماتے جو قرآن مجید کے علاوہ آپؐ کے اقوال وافعال سے بھی اچھی طرح واقف ہوتا۔

اسی طرح حدیث کی اشاعت کی تاکید آپ نے خود فرمائی ہے؛ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ سے زائد افراد کے اجتماع میں سب کو مخاطب کرکے آپؐ نے فرمایا: نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاها ثم اداها الی من لم یسمعها ''اللہ اس بندے کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی، پھر اُسے یاد رکھا اور اسے اس شخص تک پہنچایا جس نے اس کو نہیں سنا''۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: نضر اللہ امرأ سمع منا شیئاً فبلغه کما سمعه، فرب مبلغ اوعی له من سامع ''اللہ

اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر جس طرح اس کو سنا تھا اسی طرح اسے دوسروں کو پہنچایا؛ کیونکہ بعض لوگ جن تک بات پہنچائی جائے اصل سننے والے سے زیادہ اس بات کو محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں"۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنا خطبہ اس فقرے پر ختم فرمایا : الا فلیبلغ الشاہد الغائب "چاہیئے کہ جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچائے"۔ (بخاری)

سوچیے کہ اگر اُمت کو حدیث کی ضرورت نہ ہوتی تو آپؐ اپنے ارشادات کی اشاعت کی اس قدر تاکید کیوں فرماتے !

روایت بالمعنٰی :

راویوں میں ایک طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے الفاظِ حدیث کو حیرت انگیز حد تک محفوظ رکھنے کا ثبوت دیا؛ لیکن دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے حدیث کے محض معنی کو محفوظ رکھنے کو کافی سمجھا۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ ابی زرعہ بن عمرو بن جریر نے ایک بار مجھ سے حدیث بیان فرمائی، پھر میں نے ۲سال کے بعد اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ایک حرف کی کمی کے بغیر اسے جوں کا توں سنا دیا۔ عبدالملک بن عمیر کا قول ہے کہ میں حدیث بیان کرتا ہوں تو ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح قتادہؒ کا بیان ہے کہ جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے اسے میرے دل نے محفوظ کر لیا ہے۔

لیکن دوسری طرف یہ قول بھی ملتا ہے کہ فامامن اقام الاسناد وحفظه وغیر اللفظ فان ہذا واسع عند اہل العلم اذا لم یتغیر المعنٰی "جو اسناد کو قائم اور اسے محفوظ رکھتے ہوئے الفاظ بدل دے تو اہل علم کے نزدیک اس کی پوری گنجائش ہے بشرطیکہ معنی متغیر نہ ہوں"۔ واثلہ بن اسقع کا قول ہے : اذا حدثنا کم علی المعنی فحسبکم "جب ہم تم سے حدیث بالمعنی روایت کریں تو یہ تمہارے لیے کافی ہے"۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ کنت اسمع الحدیث من عشرة، اللفظ مختلف والمعنی واحد "میں دس آدمیوں سے حدیث سنتا تھا، الفاظ مختلف ہوتے تھے لیکن مفہوم ایک ہی ہوتا تھا"۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی، انما ھو المعنٰی "اگر میں تم سے کہوں کہ میں تم سے بعینہٖ وہ بات بیان کرتا ہوں جو میں نے سنی ہے تو میری تصدیق نہ کرنا اس لیے کہ وہ محض معنٰی اور مفہوم ہوتا ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ کچھ راویوں نے حدیث کے اصل الفاظ کو یاد رکھنے کی کوشش کی تو کچھ نے اسی کو کافی سمجھا کہ معنی و مفہوم کو محفوظ کر لیا جائے، عام حالات میں یہی ممکن بھی تھا۔ وکیعؒ کا قول ہے : ان لم یکن المعنٰی واسعاً فقد ھلک الناس "اگر حدیث بالمعنی روایت کرنے کی وسعت نہ ہوتی تو لوگ ہلاکت میں پڑ جاتے"۔

روایت بالمعنی کے جائز اور روا ہونے کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ قرآن ایک قول مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں نقل کرتا ہے لیکن معنی و مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا۔ روایت بالمعنی صرف ان صورتوں میں قابل اعتماد نہیں ہوتی جب کہ راوی فہم و بصیرت کے لحاظ سے بھروسے کے لائق نہ ہو۔

حدیث کی حفاظت :

حدیث کی حفاظت کے اوّلین ذمہ دار صحابہ کرامؓ تھے اور وہ اپنی ذمہ داری کو خوب سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حدیث کے روایت کرنے میں صحابہؓ بے حد محتاط تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کوئی غلط بات منسوب نہ ہو، اس سے وہ ہمیشہ خائف رہتے تھے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان الفاظ میں یہ تنبیہ فرمائی تھی: من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار کہ جو شخص مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا اُسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کرلے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا تو یہ معمول تھا کہ جب وہ کوئی حدیث بیان کرنی شروع کرتے تو کہتے کہ رسول اللہ صادق ومصدوق ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تیار کرلے۔ (اصابہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ بات رہتی تھی کہ آپؐ جو کچھ فرمائیں اُسے سننے والے پوری طرح سمجھ لیں، اسی لیے عام گفتگو میں آپؐ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی بات فرماتے تو اس کو تین بار دہراتے۔ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفہم عنہ (بخاری)۔

دوسری جانب یہ بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ احادیث کے سننے، سمجھنے اور ان کو محفوظ رکھنے میں سب صحابہؓ یکساں نہ تھے۔ بعض صحابہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا، بعض کو کم۔ فہم وفراست میں بھی سب ایک جیسے نہ تھے اور نہ ہی سب کی قوتِ حافظہ یکساں تھی۔ یہی وجہ ہے روایت حدیث کے سلسلے میں صحابہؓ میں بعض کا مرتبہ بعض سے بڑھا ہوا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے احادیث اس لیے زیادہ مروی ہیں کہ انہیں حضور ﷺ کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقع میسر آیا اور انہیں حفظ حدیث کا شوق بھی غیر معمولی تھا، وہ دین سیکھنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا بھی حال یہ تھا کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یمن سے آئے تو عرصے تک وہ ابن مسعودؓ کے بارے میں یہ خیال کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہی کے گھر کے کوئی فرد ہیں۔اس کی وجہ ان کی اور ان کی والدہ محترمہ کی وہ آمدورفت تھی جو نبی ﷺ کے پاس ہوتی رہتی تھی: انہ رجل من اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما نری من دخولہ ودخول أمہ علی النبی ﷺ...(اصابہ)

حضرت انسؓ 9 سال تک نبی ﷺ کی خدمت میں رہے۔ یہی حال نبی ﷺ کے موالی مثلاً حضرت رافع وحضرت بلال رضی اللہ عنہما کا تھا۔ خواتین میں امہات المومنین تھیں جنہیں خلوت میں نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقع میسر تھا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ باہم ایک دوسرے سے احادیث کا علم حاصل کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جلیل القدر صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری وابستگی کا حال لوگ جانتے تھے اس لیے آپ کی حدیث مجھ سے دریافت کرتے تھے، اور ان دریافت کرنے والوں میں عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ بھی شامل ہیں:

کانو ایعرفون لزومی فیسألونی من حدیثہ، منہم عمر وعثمان وعلی وطلحۃ والزبیر۔ (ابن سعد)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا حال یہ تھا کہ وہ صحابہؓ کے یہاں تلاش حدیث میں چکر لگایا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں : ما کل ما نحدثکم بہ سمعناہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولکن کان یحدث بعضنا بعضا "ہم تم سے جو بیان کرتے ہیں وہ سب کا سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں سنا ہے، بلکہ ہم میں بعض نے بعض سے سنا ہے"۔ (مستدرک حاکم)

واقعات شاہد ہیں کہ ایک ایک حدیث کا صحیح علم حاصل کرنے کے لیے حضورؐ کے صحابیؓ لمبے لمبے سفر تک اختیار کرتے اور ہر طرح کی تکالیف برداشت کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے ایک حدیث براہ راست اس کے اصل راوی سے سننے کی غرض سے مدینہ سے شام کا سفر کیا اور یہ سفر اس زمانہ میں ایک مہینہ کی مسافت کا تھا۔ یہ سفر انہوں نے محض اس خوف سے کیا کہ کہیں اس حدیث کے سننے سے پہلے ہی ان کی موت نہ ہو جائے۔ اسی طرح حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے عتبہ بن عامرؓ سے ایک حدیث سننے کے لیے لمبا سفر کیا۔ یہ حدیث حضرت ابو ایوبؓ نے براہ راست نبی ﷺ سے سنی تھی لیکن انہیں اس میں کچھ شبہ ہو گیا تھا چنانچہ اس شبہ کو مٹانے کے لیے انہوں نے مدینہ سے مصر کا سفر اختیار کیا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس پہنچے تو کہا کہ مجھ سے وہ حدیث بیان کرو جو تم نے رسول خدا ﷺ سے مسلمانوں کی عیب پوشی کے بارے میں سنی ہے، اب اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور تمہارے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ پھر حدیث کی سماعت کے بعد وہ فوراً مدینہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے اور انہوں نے مصر میں اپنا کجاوہ بھی نہ کھولا۔ (جامع بیان العلم : ۹۴) وہ حدیث یہ تھی: من ستر مسلما خزیۃ سترہ اللہ یوم القیمۃ "جس کسی نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی قیامت کے دن خدا اسکی عیب پوشی فرمائے گا"۔

اسی طرح دارمی میں ایک صحابیؓ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ فضالہ بن عبداللہ کے پاس مصر پہنچے اور ان سے کہا کہ "میں تمہاری ملاقات کے لیے نہیں آیا ہوں؛ بلکہ میں نے اور تم نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سنی تھی، مجھے اُمید ہے کہ وہ تمہیں یاد ہو گی"۔ اسی طرح حضرت ابو سعید خدریؓ نے حدیث کے محض ایک حرف کی تصحیح کی غرض سے باضابطہ سفر کیا۔

تابعین کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا، انہوں نے حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے طویل طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تابعین میں سعید بن المسیب، مسروق کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے محض ایک حرف کی تحقیق کے لیے بھی سفر اختیار کیا ہے۔ ابو العالیہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے حوالہ سے ایک روایت سنتے لیکن ہم اس پر راضی نہ ہوتے جب تک کہ ہم خود پہنچ کر ان صحابہؓ کی زبانی براہ راست اس روایت کو نہ سن لیتے۔ (دارمی) یہ ایک حقیقت ہیکہ صحابہ کرامؓ اور تابعین نے حفاظت حدیث کے سلسلے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ تاریخ عالم میں بے مثال ہے۔

اشاعت حدیث :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جہاں بھی اسلامی حکومت قائم ہوئی صحابہؓ کی مختلف جماعتیں وہاں جا کر آباد ہو گئی تھیں۔ ان میں مدینہ ومکہ کے علاوہ یمن، یمامہ، دمشق، بحرین، بصرہ، کوفہ اور مصر کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اصحاب رسولؐ نے ان مقامات پر قرآن کی تعلیم کے ساتھ روایت حدیث کے حلقے بھی قائم کئے۔ اس سلسلہ میں مدینہ میں حضرت ابو ہریرہؓ اور

حضرت عائشہؓ کی خدمات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ دمشق میں حضرت ابودرداءؓ اور کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حدیث کی نمایاں خدمت انجام دیں، اسی طرح بصرہ میں حضرت عمران بن حصینؓ کی شخصیت اس سلسلہ میں نمایاں ہے۔ مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا ایک حلقہ درس قائم تھا جس میں لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے۔(اصابہ:۱/۴۳) اسی طرح شام کے مشہور شہر حمص میں مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ کو علم دین سکھانے میں مشغول دیکھا گیا۔ (ابن سعد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ ایک مدت تک اشاعت حدیث کے کام میں مصروف رہے پھر ان کے بعد ان کے شاگرد تابعین نے یہ خدمت انجام دی۔ اس طرح دنیا نے حضور ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری ہوتی دیکھی جو آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے سامنے فرمائی تھی۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ تم مجھ سے سن رہے ہو، ایک وقت آئے گا کہ تم سے بھی سنا جائے گا اور جن لوگوں نے تم سے سنا ہوگا ان سے بھی لوگ سنیں گے: تسمعون ویسمع منکم، ویسمع من الذین یسمعون منکم۔ (ابوداؤد، المستدرک)

کون سے صحابی آپ ﷺ کی وفات کے کتنے عرصہ بعد وفات پائے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کئی صحابہؓ ایسے تھے جو اسی (۸۰) سال سے زیادہ مدت تک دنیا میں موجود رہے۔ صحابہؓ میں سب سے آخر میں کس کی وفات ہوئی اس سلسلہ میں عام طور سے عامر بن واثلہ لیثی ابوالطفیلؓ کا نام لیا جاتا ہے لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ روایت محل نظر ہے؛ کیونکہ العداؓ اور ابوغبہؓ کی وفات ان کے بعد بیان کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض نے معاویہ بن حکم السلمیؓ کا نام بھی لیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی وفات 100 ہجری میں ہوئی ہے۔ شام میں وفات پانے والے آخری صحابی عتبہ بن عبدالسلمیؓ اور مصر میں فوت ہونے والے آخری صحابہ عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدیؓ ہیں۔ حمص میں وفات پانے والے آخری صحابہ ابوامامہ باہلیؓ ہیں جن کا اصل نام صدی بن عجلان ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ کی وفات بصرہ میں ۹۳ھ میں ہوئی، بعض کے نزدیک وہ ۹۹ھ تک زندہ رہے۔ حضرت انس بن مالکؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۸۳ سال تک زندہ رہے۔ اسی طرح صحابی رسول محمود بن ربیعؓ حضور ﷺ کے بعد ۸۹ سال تک اور ہرماس بن زیاد باہلیؓ 92 سال تک زندہ رہے۔ نبی ﷺ کے بعد ابن عباسؓ ۶۸ سال تک اور ابوہریرہؓ ۴۹ سال تک حدیث کی اشاعت میں لگے رہے۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ ۴۸ سال تک اشاعت حدیث کے کام میں مصروف رہیں۔ ایسے صحابہؓ بڑی تعداد میں ہیں جو حضور ﷺ کے بعد ۶۰ سے ۸۰ سال تک دنیا میں موجود رہے۔ یہ صحابہؓ مختلف مقامات پر اشاعت دین کے کام میں مشغول رہے ہیں۔

حدیث کا تحریری سرمایہ:

عربوں کا حافظہ غیر معمولی تھا، اس کے باوجود حدیث کی حفاظت کے پیش نظر احادیث کو تحریری شکل میں محفوظ کرنے کا سلسلہ نبی ﷺ اور صحابہؓ ہی کے دور سے قائم ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ نے بعض تحریریں، معاہدات، وثائق اور خطوط وغیرہ کی شکل

میں لکھواکر بعض اشخاص کو عنایت فرمائی تھیں۔ ایسی روایات بکثرت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی سے بعض صحابہؓ احادیث کو لکھتے رہے ہیں۔ محدثین نے تحریری یادداشتوں کی موجودگی کے باوجود اصل بھروسہ روایات پر کیا۔ تحریر کی تائید جب تک روایت سے نہ ہو یا کم سے کم اس تحریر کے متعلق روایت نہ ہوا نہوں نے اسے کوئی وقعت نہ دی۔ اگر محض تحریر پر بھروسہ کیا جاتا تو احادیث پایۂ اعتبار سے گرجاتیں؛ کیونکہ کسی تحریر کی جب تک روایت سے تصدیق نہ ہو اس کے بارے میں یہ شبہ کیا جاسکتا تھا کہ ممکن ہے وہ کوئی جعلی تحریر ہو۔ تحریری یادداشتیں اصل میں حافظہ کو تازہ کرنے کے لیے تھیں اور محدثین نے ان سے تائیدی شہادت کا کام لیا؛ اسی لیے محدثین کے سامنے اگر تحریری یادداشتیں تھیں بھی تو ان کے ذکر کو انہوں نے ضروری خیال نہ کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اوّل درجہ کی صحیح احادیث ان کے اولین راویوں ہی کے ہاتھوں تحریر میں آچکی تھیں اور وہ مسلسل تحریری شکل میں منتقل ہوتی رہیں اور آج تک تحریری شکل میں موجود و محفوظ ہیں۔ ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی دور میں تحریری سرمایہ ضائع ہوگیا ہو اور محض زبانی روایات پر ان کا دارومدار رہ گیا ہو۔

اعلیٰ درجہ کی احادیث دس ہزار سے کم ہیں۔ چنانچہ حاکم نے لکھا ہے: الاحادیث التی فی الدرجۃ الاولی لاتبلغ عشرۃ الآف "اعلیٰ درجہ کی احادیث کی تعداد دس ہزر تک نہیں پہنچتی ہے"۔ (توجیہ النظر: ۹۳)

حضرت ابوہریرۃؓ کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے اور یہ مختلف شہادتوں سے ثابت ہے کہ وہ اپنی روایات کو ضبط تحریر میں لے آئے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ان کے دو شاگرد بشر بن نہیک اور ہمام بن منبہ کے بارے میں ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے لیے مرویات ابوہریرہؓ کے الگ الگ نسخے لکھ کر تیار کئے تھے۔ حضرت بشر بن نہیک فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے جو حدیثیں میں سنا کرتا تھا ان کو لکھ لیا کرتا تھا۔ جب میرا ارادہ ان سے الگ ہونے کا ہوا تو ان کی حدیثوں کو ان کے سامنے پڑھ گیا اور آخر میں ان سے کہا کہ یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا: ہاں۔

حضرت ابوہریرہؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی مرویات کثیر ہیں اور وہ احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے، انہیں لکھنے کا حکم خود آنحضرت ﷺ نے دیا تھا۔ محدثین میں ان کی کتاب صحیفہ صادقہ کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

اس کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایات کی تعداد ۱۲۸۶ ہے۔ مستدرک کی روایت میں ہے کہ سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ ہم حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ اپنے پاس سے ایک نوشتہ نکالتے اور فرماتے کہ یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرت ﷺ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور میں ان کو حضور ﷺ کے سامنے پیش بھی کرچکا ہوں۔ اس سے حضرت انسؓ کی حدیثوں کے بھی ضبط تحریر میں آنے کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایات تعداد میں ۱۵۰۰ ہیں۔ صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حج سے متعلق احادیث کو تحریری شکل دی تھی۔ ان کے شاگرد وہب بن منبہ نے اپنے استاد حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایات کو قلم بند کیا تھا۔

اسی طرح سلمان بن قیس یشکری نے بھی حضرت جابرؓ کی احادیث کا مجموعہ مرتب کیا تھا اور شعبی اور سفیان وغیرہ جیسی نمایاں شخصیتوں نے قیس سے اس کی سماعت بھی فرمائی تھی۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن کے بیٹے حضرت عروہ بن زبیرؓ نے براہ راست حضرت عائشہؓ کی روایات کو حاصل کیا تھا اور مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے علم کو قلم بند بھی کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی ایک خاتون شاگرد عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں، ان کے علم کو ان کی بہن کے بیٹے ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان پر جمع کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیم کا فرمان ابو بکر بن محمد کے پاس آیا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے علم (حدیث) کو وہ ان کے لیے لکھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایات ۲۶۶۰ ہیں، ابن سعد میں ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے کارنامے لکھا کرتے تھے، اس کے علاوہ ترمذی میں ہے: ان نفرا قدموا علی ابن عباس من اہل الطائف بکتاب من کتبہٖ فجعل یقرء علیھم "حضرت ابن عباسؓ کے پاس طائف کے کچھ لوگ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب لے کر حاضر ہوئے تو ابن عباس نے ان پر پڑھنا شروع کر دیا"۔ (ترمذی) اس سے ظاہر ہے کہ ان کی احادیث کا مجموعہ ان کی حیات ہی میں قلم بند ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ دارمی اور طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کی احادیث کو ان کے شاگرد سعید بن جبیر لکھا کرتے تھے۔

یہ ان صحابہؓ کا حال ہے جن کا شمار "مکثرین" میں ہوتا ہے یعنی جن سے کثیر روایات مروی ہیں۔ دوسرے اصحاب رسولؐ میں سے متعدد صحابیوں کے بارے میں ثابت ہے کہ ان کی مرویات کی بھی کتنی ہی یادداشتیں تحریری شکل میں موجود تھیںؓ۔

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ یہ بات غلط طور پر مشہور ہو گئی ہے کہ حدیثیں سو (۱۰۰) برس کے بعد ضبط تحریر میں آئی ہیں، حضرت علیؓ کی کتاب القضایا اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی کتاب بہت ہی ابتدائی دور میں تالیف ہوئی تھیں، خود حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی) اس کے علاوہ کتنے ہی صحابہؓ اور تابعین نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو تحریری طور پر جمع کیا تھا۔ صحیفہ ابو بکر صدیقؓ، صحیفہ سعد بن عبادہؓ، صحیفہ جابر بن عبداللہؓ اور رسالہ سمرہ بن جندبؓ، رسالہ انس بن مالکؓ وغیرہ کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، حضرت عمرو بن حزمؓ کو حضور ﷺ نے جب یمن کا عامل بنایا تو تحریری ہدایت نامہ بھی عطا فرمایا تھا، انہوں نے اس قیمتی دستاویز کے ساتھ دیگر ۲۱ فرامین نبویؐ بھی فراہم کئے، صحیفہ ہمام بن منبہ کے قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں دریافت ہو چکے ہیں اور یہ صحیفہ شائع بھی ہو گیا ہے۔ یہ اہم خدمت ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحبؒ نے انجام دی ہے، اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جامع معمر بن راشد کے قلمی نسخوں کو بھی انقرہ یونیورسٹی اور فیض اللہ آفندی کے کتب خانہ (استنبول) سے ڈھونڈھ نکالا ہے، جامع معمر بن راشد ۲۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔